نماز بوقتِ خطبہ پر محققانہ بحث

مولانا عبداللہ خاں صاحب کرتپوری ۔ فاضل دیوبند

جیسا کہ معلوم ہے "ندوۃ المصنفین" اور اس کے ترجمان "برہان" نے شروع ہی سے علم و مذہب کی خدمت کے لئے ایک خاص قالب تیار کیا تھا۔ یعنی گروہی حد بندیوں سے بے تعلق ہو کر اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات کو وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق پیش کرنا۔ زیرِ نظر مضمون میں اگرچہ ایک خاص فقہی مسئلے سے بحث کی گئی ہے اس لئے قدرتی طور پر اس میں بعض جزئی مباحث آ گئے ہیں اور اسلوبِ بیان بھی کہیں کہیں مناظرانہ ہو گیا ہے۔ مقالے کا دروبست تمام تر علمی ہے اور مسئلے کے ایک ایک گوشے سے متعلق محدثانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ مقالے کو اسی حیثیت سے شریکِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ مقالہ نگار مولانا عبداللہ خاں صاحب کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں ہے، موصوف ایک زمانے تک مدراس کے علاقے میں نمایاں علمی خدمات انجام دے چکے ہیں، تقریباً ربع صدی تک علمی دنیا سے روپوش رہ کر "بزمِ برہان" میں شامل ہو رہے ہیں۔ (برہان)

تحیۃ المسجد بحالت خطبہ مباح و مسنون ہے یا ممنوع و مکروہ

زمانہ سلف سے اس میں دو رائے چلی آ رہی ہیں۔ ایک جماعت اس کی اباحت کی قائل ہے اس کو مجوّزین کہا جاتا ہے، دوسرا گروہ اس کو ممنوع کہتا ہے اس کو مانعین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مجوّزین کے دلوں میں تحیۃ المسجد کی اہمیت ہے۔ اس باب میں جو حدیثیں وارد ہیں وہ ان کے اطلاق و عموم میں تخصیص کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مانعین کے ذہن پر خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور اس کی طرف کان لگائے رکھنے (استماع و انصات) کی اہمیت اور اس کے اختلال پر نکیرِ وارد کی شدت کا اثر ہے۔ وہ اس کے اطلاق و عموم کے بقار کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جانبین میں یہی نظریاتی اختلاف ہے اور ہر فریق اپنے اپنے نظریہ کے موافق نصوص و روایات سے استدلال میں مصروف ہے۔ مجوزین قصۂ سلیکؓ اور ایک قولی روایت پیش کرتے ہیں۔ مانعین اولاً استماع و انصات بوقت خطبہ کی

عام روایات پھر خطبہ کے وقت آنے والے کے لئے ممانعت نماز کی خاص روایات پیش کرتے ہیں۔ ان کو سلیک رضی اللہ عنہ کی نماز کا وقوع بحالتِ خطبہ تسلیم نہیں۔ علی ہذا قولی روایت کا حکم بھی وہ ایسے موقع کیلئے ہی تصور کرتے ہیں جبکہ نماز پڑھنے سے خطبہ فوت ہوتے کا اندیشہ نہ ہو۔ مجوّزین روایاتِ ممانعت پر جرح اور بعد تسلیم اس سے تحیۃ المسجد کی تخصیص کا ادعا کرتے ہیں۔ مانعین اس جرح و تخصیص کا جواب دیتے ہوئے مجوّزین کے مستدل پر جرح کرتے ہیں اور زمانۂ نبوّت کے متعدد واقعات اپنی تائید میں لاتے ہیں۔ احادیث کی مراد میں اختلاف کا باعث دراصل وہی نظریاتی اختلاف ہے۔ تعیین مراد کے لئے صحابہ و تابعین کے تعامل و توارث کی طرف متوجہ ہونا قدرتی امر تھا۔ جانبین میں یہ سوال در پیش تھا مگر اس مرحلہ پر فضا میں سکون ہے بلکہ مجوزین میں سے انصاف پسند اہلِ تصنیف نے جمہور صحابہ و تابعین کو مانعین میں شمار کیا ہے۔ البتہ نویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے صحابہ کے مسلک کے معاملہ میں احتمال اور شبہ کا امکان پیدا کیا مگر حقیقت اپنی جگہ قائم نظر آرہی ہے۔ تاویل و توجیہہ شک و شبہ کے پردے اس کو نہیں چھپا سکے۔ حافظ سے پہلے اربابِ تصنیف بھی اس موضوع پر لکھتے رہے ہیں پر حافظ کا کلام شرح و بسط میں سب پر فائق ہے۔ حافظ نے اپنے دلائل روشن کرنے کے ساتھ مخالف دلائل کی ہر ہر شق کو رد کرنے کا فرض بھی انجام دیا۔ بعد کا مصنف خواہ کسی زمرہ سے تعلق رکھتا ہو اس کے لئے حافظؒ کے مباحث سے دلچسپی لئے بغیر گذرنا ممکن نہیں۔ راقم الحروف اگر حافظ کے ساتھ بحث و تمحیص کا طریق اختیار کرتا ہے تو تحریر طویل ہوتی ہے احتراز کرتا ہے تو بحث تشنہ رہتی ہے، ناچارا ہون الامرین کے اصول پر کاربند ہوتے ہوئے پہلا طریق اختیار کر کے اُن کے اعتراضات کے جواب اور جواب الجواب کا بالاستیعاب التزام کیا گیا۔ اس ضمن میں کہیں کہیں حافظ پر نکتہ چینی کا موقع بھی آگیا ہے جس کے لئے راقم الحروف حافظؒ کی پُر سکون روح سے دست بستہ معذرت خواہ ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ورفع درجاتہ فی اعلیٰ علیین،، یہ حقیقت ہے۔ حافظ ابن حجر متبحر عالم تھے زبردست محدث تھے حفظ و اتقان میں کوہِ گراں تھے۔ قادر علی الکلام تھے۔ کلام میں حلاوت و سلاست تھی جس طرف نکل جاتے تھے مخالفین کے تار و پود بکھیرتے چلے جاتے تھے مورخین نے اُن کے اوصاف میں صفحات پُر کئے ہیں لیکن حضرت استاد شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ ضریحہ کا ایک جملہ خیر الکلام ما قل ودل،،

کا مصداق سب کا نچوڑ ہے۔ موصوف نے حافظ ابن حجر کو حافظ الدنیا کے لقب سے یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ حافظ کے بعد تو اُن جیسا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا مگر اسلات میں بھی اُن کے جیسے کم ہوئے ہیں (انتہیٰ) اس علوِ مرتبت کے باوجود حافظ اپنے مسلک کی تائید بسا اوقات اس طرح سے کر جاتے تھے جس کو اُن کی شان کے لائق نہیں کہا جا سکتا۔ اس امر میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی حافظ رحمۃ اللہ کے شاکی تھے۔ بہرحال صحابہ و تابعین کی زبردست اکثریت خطبہ کے وقت آنے والے کے لئے نماز کی کراہت کی قائل تھی۔ ان ہزار ہا صحابہ و تابعین کی جماعت میں سے سوائے ایک صحابی اور دو تابعی کے کسی کا نام بھی مجوزین اپنے مسلک کی موافقت میں نہیں پیش کر سکے۔ اس کے برعکس جمہور صحابہ و تابعین کی نقول و روایات جملہ مصنفین بلا تفریق بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاض سے نقل فرماتے ہیں:۔

قال مالك والليث وابو حنيفة والثوری وجمهور السلف من الصحابة والتابعين لا يصليهما وهو مروی عن عمر وعثمان وعلی (رضی الله عنهم)	امام مالکؒ لیثؒ ابو حنیفہؒ سفیان ثوری اور صحابہ و تابعین میں سے جمہور سلف نے کہا کہ (خطبہ کے وقت) یہ دو رکعت نہ پڑھی جائیں اور یہی (مذہب) حضرت عمرؓ عثمانؓ و علی (رضی اللہ عنہم) سے منقول ہے۔

حافظ عینی رحمۃ اللہ قاضی عیاض سے نقل فرماتے ہیں۔

قال عياض كان ابوبكر وعمر وعثمان يمنعون عن الصلوٰة عند الخطبة (عمدة القاری)	(قاضی) عیاض نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان (رضی اللہ عنہم) بوقت خطبہ نماز کو منع کرتے تھے (عمدۃ القاری)

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔

وحكاه العراقی عن محمد بن سيرين وشريح القاضی والنخعی وقتادة والزهری ورواه ابن ابی شيبة عن علی وابن عمر وابن عباس وابن المسيب ومجاهد و	اور اسی مذہب (ممانعت نماز بوقت خطبہ) کو عراقیؒ نے محمدؒ بن سیرین۔ قاضی شریحؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ قتادہؒ اور زہری سے نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے حضرت علیؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ۔ ابن المسیبؒ۔ مجاہدؒ۔ عطاؒ

عطاء بن ابی رباح و عروۃ بن الزبیر — بن ابی رباح ۔ عروۃ بن الزبیر سے روایت کیا ہے

و رواہ النووی عن عثمان — اور نوویؒ نے اسی مذہب کو حضرت عثمانؓ سے روایت کیا ہے

محدث ابن بطالؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

والمنع قول الجمھور من اھل العلم[۵۱] (فتح الباری) — ممانعت نماز (بوقت خطبہ) جمہور علماء (صحابہ تابعین) کا قول ہے ۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہی مذہب (ممانعت نماز بوقت خطبہ) صحابہ میں سے حضرت عقبہ بن عامر ۔ عبداللہ بن زبیر ۔ عبداللہ بن صفوان ۔ ثعلبہ بن ابی مالک القرظی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے امام شعبی و ابو قلابہ رحمہما اللہ سے مروی ہے ۔

---

۵۱ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین و دیگر صحابہ سے ممانعت نماز بوقت خطبہ کے جو مذاہب منقول ہیں ان کا اعتماد اُن روایات پر ہے جن میں اس کا احتمال کہ راوی حدیث نے یہ ممانعت خصوصیت سے موجودین مسجد کے حق میں مراد لی ہو (انتہی ملخصاً) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حافظؒ کا یہ قول بچند وجوہ مخدوش ہے ۔ اولاً اینکہ یہ احتمال محض ہے کوئی دلیل اس کی پشت پر نہیں ۔ احتمال وہی قابل اعتبار ہوتا ہے جس کی تائید قرائن سے ہو ۔ روایات کے عموم و اطلاق کو محض حافظ کی رائے سے مخصوص و مقید نہیں تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔ ثانیاً یہ کہ موجودین مسجد کے لئے نماز بوقت خطبہ کا کوئی بھی قائل نہیں پھر انہی صحابہ کے مذاہب اس کی ممانعت میں منقول ہونے کے کیا معنے ۔ نیز موجودین مسجد کو کوئی امر اس وقت نماز کے لئے شبہ میں ڈالنے والا بھی نہیں ہے کہ خصوصیت سے انہی کو ممانعت کی گئی ہو ۔ ثالثاً یہ کہ اعتماد بھی صرف اُن روایات پر نہیں جن کو حافظ محمل قرار دے رہے ہیں ۔ صحابہ کے زمانہ کے متعدد واقعات ہیں جن میں خطبہ کے وقت آنے والے نے نماز نہیں پڑھی اور نہ خطیب و امام نے آنے والے کو اس وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ۔ بعض اوقات تحیۃ المسجد سے کم درجہ کی سنت کے ترک پر تنبیہ کئے جانے کے باوجود نماز کا حکم نہیں دیا گیا ۔ رابعاً یہ کہ جلیل القدر ائمہ تابعین جو اعلم الناس بمذاہب الصحابہ تسلیم کئے گئے ہیں جنھوں نے علم و فقہ مسائل و احکام کو خلفاء راشدین و دیگر اکابر صحابہ سے حاصل کیا تھا جن کے مذاہب اکابر صحابہ کے اقوال و افعال سے ماخوذ ہوتے ہیں ۔ خلفاء راشدین و اکابر صحابہ کی خدمت میں رہتے ہوئے ظاہر ہے ان کے مذاہب سے واقفیت حاصل کر کے صحابہ کے واقعات اپنی آنکھ سے دیکھ کر اس کی ممانعت کے قائل ہوئے ہیں ۔ یہ ائمہ تابعین اگر صحابہ کو صرف موجودین مسجد کے لئے نماز کا مانع اور اس وقت آنے والے کے لئے مجوز پاتے تو کیوں اس کی ممانعت کے قائل ہوتے ۔ مثلاً حضرت سعید بن المسیبؒ جو مصاحبت صحابہ میں دیگر جملہ ائمہ تابعین پر فائق اور صحابہ کے علوم کے سب سے زیادہ حامل ۔ مدینہ کے سب سے اول مجمع علیہ مفتی و فقیہہ ہیں ۔ عطاء بن ابی رباح مفتی اہل مکہ جن کی وسعت علمی کا یہ عالم کہ حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی ذات پر ان کو ترجیح دینے کو تیار ہیں وغیرہ وغیرہ اس کی ممانعت کے قائل ہیں وہی تاویل کے وقت ان امور سے اغماض حافظؒ کے لئے مناسب نہ تھا ۔ مجوزین حضرات صحابہ کے اقوال و افعال سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں اس کے باوجود دیکھا جاتا ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی تاویل کی طرف تو جھکتے ہیں لیکن ہم رجال نحن رجال کہنے کی ان کو جرأت ......

قال جماعة منهم القرطبي اقوى ما اعتمده المالكية في هذه المسئلة عمل اهل المدينة خلفاً عن سلف من لدن الصحابة الى عهد مالك ان التنفل في حال الخطبة ممنوع مطلقاً (فتح الباری)	علماء کی ایک جماعت نے جن میں قرطبی بھی شامل ہے کہا ہے کہ سب میں قوی دلیل جس پر مالکیہ نے اس مسئلہ میں اعتماد کیا ہے وہ سلف سے خلف تک اہل مدینہ کا تعامل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے امام مالک کے عہد تک چلا آیا یہ کہ بوقت خطبہ نفل پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے (فتح الباری)

امام قرطبی، مالکی و دیگر حضرات نے کراہت نماز بوقت خطبہ کی تائید میں عہد صحابہؓ سے امام مالکؒ کے زمانہ تک کے تعامل (ترک نماز بوقت خطبہ) کو پیش کیا تھا۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے فعل سے (کہ وہ بوقت خطبہ آئے اور عمّال حکومت کی مزاحمت کے باوجود انھوں نے تحیۃ المسجد ادا کی) نقض وارد کیا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنن ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے ان کتب کے ابواب الجمعہ کو پڑھا ہوگا یہ ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ قرطبی کا یہ مقصد تو نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ مثل توحید و رسالت کے اجماعی ہے کہ ذاحد دون واحد اس میں کسی کا خلاف ہی نہیں۔ البتہ حافظ نے ان کی مراد کا اظہار ایسے الفاظ میں کیا کہ جس سے حافظ کو اس پر اعتراض چسپاں کرنے کا موقع مل سکے۔ بہرحال ابوسعید رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے یہ معاملہ صاف ہو گیا کہ اباحتِ نماز بوقتِ خطبہ کی دلیل سوائے قصۂ سلیکؓ کے اور کوئی نہیں ہے۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے استدلال میں اسی واقعہ کو پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ نبوت کا نہ کوئی واقعہ ان کے پاس ہے اور نہ کوئی حکم اور قصۂ سلیکؓ میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی نماز بحالت خطبہ واقع نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے تشریف لائے ہوئے منبر پر متمکن تھے اس وقت سلیک رضی اللہ عنہ بوسیدہ لباس میں آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لئے صدقہ کی اپیل کی۔ صدقہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اس فراہمی صدقہ کے وقت سلیکؓ نے نماز ادا کی ... پس حاضرین میں سے ایک فرد (ابوسعید) کا یہ دیکھکر کہ سلیکؓ کی نماز بعد از خروج امام بحالت تمکن علی المنبر واقع ہوئی ہے اس سے اباحت نماز بحالت خطبہ پر استدلال کرلینا ممکن اور المجتہد قد یخطی و یصیب کے مصداق ہو اور وہ اپنے اس اجتہاد

پر اجر واحد پانے کے مستحق بھی ہیں لیکن صحابہ میں سے جن حضرات کی نگاہ اس حقیقت پر پہونچی کہ سلیک رض کی نماز کے وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فراہمی صدقہ میں مشغول تھے اور حاضرین صدقہ دینے دلانے میں سرگرم عمل تھے اس وقت خطبہ نہیں ہو رہا تھا لہذا یہ نماز بحالتِ خطبہ واقع نہیں ہوئی۔ یہ حضرات اپنی اصابت رائے کے باعث لہٗ اجران کے مصداق ہونگے۔ اس مقابلہ میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کا درجہ فرد واحد کا رہے گا اور جمہور صحابہ رض کا درجہ جماعت کا۔ اس موقع پر حافظ ابن حجرؒ کا یہ ظاہر کرنا صحافتی فرض تھا کہ اس میں ابو سعید رضی اللہ عنہ منفرد ہیں مگر وہ اس کے برعکس اُن کے ایک فعل کو وسعت لفظی کا جامہ پہنا کر اس طرح پیش فرماتے ہیں جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے لیکر زمانہ مابعد تک یہ سنت جاری و ساری ہے تاکہ قرطبیؒ کے قول کا مقابلہ کیا جا سکے مگر ثبوت کے فقدان نے حافظؒ کی پرواز قلم کو کوتاہ کر دیا اگر فرماتے ہیں کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کے شاگرد یا اُن سے روایت کرنے والوں کا بھی یہی مسلک ہے تو نقل کی ضرورت ہے اور اس کا وجود نہیں۔ صحیح بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ راوی نے اُن کا فعل نقل کیا ہے تو کلام کی جاذبیت ختم ہوتی ہے اور مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ دامن بچاتے ہوئے ایک معمہّ جیسا کلام فرماتے ہیں وحملہ اصحابہ من اہل المدینۃ یعنی ابو سعید رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ان کے اصحاب اہل مدینہ نے لیا۔ اِدہر حافظؒ کا یہ قول اُدہر واقعہ یہ کہ مدینہ کے تابعین میں نہ اصحاب ابو سعید کا یہ مسلک ہے اور نہ دیگر کسی مدنی تابعی کا۔ مؤلفین صحاح ستہ میں سب سے زیادہ جدوجہد اس امر میں امام ترمذی رحمۃ اللہ نے کی مگر سوائے حسن بصری رحمۃ اللہ کے کسی تابعی سے روایتاً اس مسلک کو ثابت نہیں کر سکے درانحالیکہ حافظ ابن حجرؒ محض لفظی ہیر پھیر سے تعامل و توارث ثابت کرنے کی فکر میں ہیں یہ سعی ایسی حالت میں ہے جبکہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو روایت کرنے والے راوی عیاض بن عبد اللہ ابو السرح مکی ہیں اگر اتفاقی طور پر اُس کے راوی کوئی مدنی ہوتے تو شاید حافظ کے لئے جملہ تابعین مدینہ کے اجماع کا ادعا آسان ہو جاتا۔ الغرض ہم کو حافظؒ کے قول وحملہ اصحابہ من اہل المدینۃ کے صحیح محمل پر رسائی نہ ہو سکی۔ نیز ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس نماز کے معاملہ میں یہ بات نظر انداز کر دینے کی نہیں ہے کہ خطیب اس وقت مروان تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی اُمیہ کی جانب سے والی مدینہ تھا۔ مروان حکومتِ متسلطہ کا ایک رکن ہونے کے علاوہ جابر و ظالم بھی تھا۔ صحابہ کرام کے ساتھ ان بدبخت حکام کا

طرزِ عمل حد درجہ گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خُطَب میں بھی اُن کی شان میں دل آزار کلمات کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے اپنے امرار کی قصیدہ خوانی بھی خُطَب میں کرتے تھے۔ علمار ان جابر و گستاخ و فاسق حکام کے پُر از خرافات خطبوں سے برداشتہ خاطر تھے اور اُن کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ممکن ہے ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بطور عدم معاونت علی الاثم والعدوان، مروان کے خطبہ سے اعراض کے لئے نماز کا شغل اختیار کیا ہو۔ سلیک رضی اللہ عنہ کی نماز کے وقت خطبہ وجود کے لحاظ سے معدوم تھا اور ابو سعید رضی اللہ عنہ کی نماز کے وقت حکم و معنےٰ کے لحاظ سے مفقود تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی اُمیہ نے خطبہ جیسے مقدس رکن کو حکومت کے استحکام کا آلۂ کار بنایا ہوا تھا۔ تبلیغ و تذکیر کے بجائے اپنے گروہ پروپیگنڈہ کا کام خطبہ سے لیتے تھے۔ عبدالملک بن مروان سے جب کہا گیا کہ آپ پر بڑھاپا بہت جلد آگیا تو ابن مروان جواب میں کہتے ہیں کیوں نہیں جب کہ میں ہر جمعہ اپنی عقل لوگوں کے اوپر خرچ کرتا ہوں (تاریخ الخلفاء)

الحاصل علمار وقت ان کی ان حرکات سے نالاں تھے اور ان کے خطبہ کا خطبۂ شرعی جیسا احترام کرنے کو تیار نہ تھے حافظ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری میں محدث ابن قدامہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ظالم حجاج کے خطبہ کے وقت حضرت سعید بن جبیر۔ ابراہیم بن مہاجر۔ ابو بردہ۔ امام شعبی۔ امام نخعی رحمہم اللہ مشغول گفتگو تھے یہ خیال متقدمین تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ ان کے معمولات کو دیکھتے ہوئے متاخرین بھی اس کی تصریح کرتے چلے آتے ہیں۔ مجمع الانہر میں ہے وفی الظہیریۃ مادام الخطیب فی حمد اللّٰہ و ثنائہ والمواعظۃ فعلیہم الاستماع فاذا اخذ فی مدح الظلمۃ والثناء علیہم فلا باس بالکلام۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس نماز پر حاضرین کے نکیر کا سوال بے محل ہے۔ عمال حکومت کے ساتھ آپکی اس ردوکد میں صحابی رسولؐ اور عُمّال حکومت کے مقابلہ کا سوال کھڑا ہوگیا تھا۔ ایسے موقع پر ظالم کی تائید کیوں کی جاتی۔ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو یہ نہیں کہا کہ یہ عمال حکومت آپ سے ایک سنتِ رسول چھڑانا چاہتے تھے بلکہ یہ کہا کہ یہ تو آپ پر غالب آنے کو تھے (ان کادوا لیفعوا بک) اس سے پتہ چل رہا ہے کہ حاضرین حکومتِ متسلطہ کی مخالفت کے جذبہ سے اس واقعہ کو دیکھ دیکھ رہے تھے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی سے تحیۃ المسجد بحالت خطبہ کا ثبوت ہے یا نہیں

اس کا جواب نفی میں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے متعلق گذر چکا ہے کہ انھوں نے اس مسلک کو سلف صالحین سے ثابت کرنے کے لئے انتہائی کوشش سے کام لیا پر وہ بھی صحابہ میں سے سوائے اس ایک واقعہ کے اور کسی صحابی کا عمل پیش نہیں کر سکے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی سعی بسیار کے باوجود اس کے سوا کوئی اور واقعہ نہیں بنا سکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ میں قصۂ سلیک رضی اللہ عنہ کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے معمول کی ایک نقل بیان کی جو لفظ بلفظ درج کی جاتی ہے حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل قال حدثنا یزید بن ابراھیم عن ابی الزبیر قال جاء الرجل والامام یخطب قال اصلیت قال لا قال صل۔ وکان جابرؓ یجیئہ اذا جاء یوم الجمعۃ ان یصلیھما فی المسجد (انتہی) امام بخاری رحمہ اللہ کا اس نقل کو قصۂ سلیک رضی اللہ عنہ کے ضمن میں بیان کرنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مسلک کے معاملہ میں باعث اشتباہ ہو سکتا ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اولاً یہ کہ حضرت جابرؓ کے معمول کی یہ نقل بغیر سند کے ہے۔ جو سند روایت کے شروع میں مذکور ہے وہ قصۂ سلیکؓ کی ہے اور اس سند میں قصہ کے متعلق حضرت جابرؓ کا مقولہ ہونے کی تصریح ہے (عن جابر قال) یہ مقولہ لفظ صلّ پر ختم ہو جاتا ہے اور یہ نقل (کان جابرؓ یجیئہ) حضرت جابر کا قول نہیں جو لفظ قال کے تحت میں درج ہو، یہ تو اُن کے معمول کی نقل ہے پس اس کا قائل کون ہے امام بخاریؒ یا دیگر کوئی راوی اگر امام بخاری کے سوا دیگر کوئی راوی اس کا قائل ہوتا تو اس کی اس طرح سے تصریح ہوتی۔ قال ابو الزبیر او قال یزید جب یہ نہیں تو لامحالہ یہ امام بخاری ہی کا مقولہ ہے جس کو امام عالی مقام بغیر سند کے بیان فرما گئے ہیں اور بغیر سند کوئی روایت قابل احتجاج نہیں دوسرے یہ کہ بحث ادائیگی تحیۃ المسجد بحالت خطبہ میں ہے اور اس نقل میں حضرت جابرؓ کے متعلق خطبہ کے وقت آنے کی حالت میں نماز کی ادائیگی کا کوئی تذکرہ نہیں لہذا یہ بحث سے خارج ہے۔ اسی وجہ سے مجوزین میں سے کسی عالم نے اس نقل کو اپنا مستدل نہیں سمجھا۔ اگر اس نقل سے نماز بوقت خطبہ کا استدلال کیا جا سکتا تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ اس سے استدلال میں ہرگز تامل نہ فرماتے امام ترمذی اپنے مسلک کے ضعف کو رفع کرنے کے لئے اتباع تابعین تک کا تعامل پیش کر گئے ہیں پھر وہ ایک صحابی کے فعل کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جو انعین کے پیش کردہ تعامل اہل مدینہ کے نقض کے درپے ہیں ۔حضرت جابرؓ مدنی کے معمول سے کیسے خاموشی اختیار کر سکتے تھے ۔ اس نقل کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے اس معمول کو تحیۃ المسجد سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ نماز مسجد میں آنے کا تحیۃ ہوتی ہے ۔گھر پر تحیۃ المسجد کے وجود کا سوال ہی نہیں ہوسکتا تو پھر اس کی افضلیت و مفضولیت کیسے زیر بحث آجائے گی جس نماز کے متعلق یہ بحث ہو کہ وہ مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر پر پڑھنا افضل ہے وہ کسی طور تحیۃ المسجد نہیں ہوسکتی ۔ جابر رضی اللہ عنہ کے اس معمول کو سنت قبل جمعہ سے متعلق کہا جاسکتا ہے لیکن اس کو تحیۃ المسجد نہیں کہا جاسکتا سنت قبل جمعہ کے متعلق یہ سوال مترتب ہوسکتا ہے کہ کس کے نزدیک اس کا گھر پر پڑھنا افضل ہے اور کون اس کو مسجد میں پڑھنا اچھا سمجھتا تھا ،اسی کے متعلق جابر رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک منقول ہو کہ آپ اس کو مسجد میں پہونچکر پڑھنا پسند فرماتے تھے ۔ مؤلف العرف الشذی نے جابر رضی اللہ عنہ کے معمول کی اس نقل کو ان کے قول کے طور پر مع امر زاید کے بیان کر دیا ، فرماتے ہیں" وایضاً فی جزء القراءۃ للبخاری قال جابرؓ وان کنت اصل السنن فی البیت اصلیھما فی المسجد وان خطب الخطیب علی ما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلیکاً" (انتھی) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جزء القراءۃ میں اس عبارت کا وجود نہیں اس میں صرف وہ عبارت ہو جو ہم نے اوپر نقل کی ۔ فاضل مؤلف مرحوم اصل ماخذ کی طرف رجوع فرمانے کی زحمت گوارا فرما لیتے تو ان کو حضرت شیخ کی مراد سمجھنے میں جو غلطی ہوگئی تھی اس کا ازالہ ہو جاتا ۔ الغرض سوائے ابو سعید رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی کے متعلق مجوزین اپنی موافقت کا ادعا بھی نہیں کر سکے ۔

سنن ترمذی کے ایک راوی نے قصۂ سلیکؓ کے متعلق ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح پیش کئے ہیں ۔ان رجلاً جاء یوم الجمعۃ فی ہیأۃ بذۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فامرہ برکعتین فصلی رکعتین والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب ۔ ان الفاظ کے ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے حضرت استاذ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے یہ خیال فرمایا کہ سلیکؓ کی نماز کے وقت بھی خطبہ ہی ہو رہا تھا (فتح الملہم) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت استاد مرحوم کا یہ تاثر مختلف وجوہ سے قابل غور ہے ۔ اولاً اس لئے کہ قصۂ سلیکؓ کے راوی ہر دو صحابی (جابرؓ و ابو سعید رضی اللہ عنہما) سے جس قدر روایات منقول ہیں ان سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہو کہ سلیکؓ کو نماز کا حکم

فرمانے کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے صدقہ کی اپیل، وصولیابی، اور تقسیم میں مصروف ہونے اور حاضرین صدقہ دینے دلانے میں لگ گئے، پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت خطبہ ہو رہا تھا۔ ثانیاً یہ کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی زیر تذکرہ روایت کے مدار سفیان بن عیینہ ہیں، ترمذی نے اس کو سفیان سے بطریق ابی عمر العدنی روایت کیا۔ دارمیؒ نے ان سے بطریق صدقہ الفضل المروزی نقل کیا۔ حاکم و بیہقی نے اس کو سفیان سے بطریق عبداللہ بن الزبیر الحمیدی لیا۔ یعنی سفیان سے روایت کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں، عدنیؒ مروزیؒ۔ حمیدیؒ۔ ان تینوں اصحاب میں سے صرف عدنی نے ان الفاظ کو بیان کیا ہے۔ مروزی و حمیدی دونوں حضرات ان الفاظ کو بیان نہیں کرتے ہیں۔ یہ عدنی کا اضافہ ہے جو مراد و مطلب کے لحاظ سے باب کی دیگر جملہ روایات صحیحہ سے متعارض ہے۔ عدنی کے مقابل ان کے ہر دو استاذ بھائی (مروزی و حمیدی) تعداد میں عدنی سے دو گنے ہیں اور اُن کی روایات کو یہ معنوی قوت بھی حاصل ہے کہ وہ باب کی دیگر روایات سے متعارض نہیں ہے۔ پھر مروزی و حمیدی کا پایۂ علمی اور درجۂ ثقاہت بھی عدنی سے ارفع ہے۔ ہیں یہ تینوں حضرات ایک ہی اُستاد کے چیلے۔ لیکن

قسمت جدی جدی ہے نصیبا جدا جدا

عدنی کو توثیق خانہ کی اخریات میں جگہ نصیب ہوئی اور مروزی و حمیدی اس کے اعلیٰ مقام پر نظر آ رہے ہیں۔ عدنی کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے صرف صدوق فرمایا۔ یعنی ان کو ثقہ بھی نہیں کہا جا سکا اور صرف صدوق کا اطلاق کرنے کے بعد بھی حافظؒ یہ کہنے پر مجبور ہوئے لکن قال ابو حاتم کان فیہ غفلۃ (تقریب) مروزی کے متعلق حافظ صاف اعتراف کرتے ہیں المروزی ثقۃ (تقریب) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ مروزی کو حفاظ حدیث میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کان اماماً حجۃ مات سنۃ (تذکرہ) بخاری و دارمی نے بھی مروزی سے روایت کی ہے۔ اہل عصر علماء کا قول تھا مروزی اور امام احمدؒ دونوں ایک ٹکر کے ہیں۔ وہ خراسان میں یہ عراق میں (تذکرہ) اب رہے حمیدی رحمۃ اللہ تو وہ بھی بڑے پایہ کے امام تھے صاحب تصانیف تھے۔ امام بخاری کو اُن کی روایت پر بہت اعتماد تھا۔ جب بخاری کو کسی باب میں حمیدی کی روایت مل جاتی تو پھر بخاری کسی دوسرے شخص کی روایت کے فکر و تلاش

یں نہ پڑتے (تقریب) حافظ ابن حجرؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں :- ثقة حافظ فقيه اجل اصحاب ابن عيينه (تقريب)

زیر بحث روایت کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے اس میں بھی یہ الفاظ نہیں۔ ان حالات میں فن سے دلچسپی رکھنے والا ایک انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اس زنجیر کی کمزور کڑی عدنی ہیں اور اُن کا بیان کردہ یہ اضافہ ان کا وہم ہے۔ جملہ ثقہ راوی سلیکؓ کے آنے کے وقت کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں جاء سليك والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب لیکن عدنی نے غلطی سے صلی رکعتین کے بعد بھی ان الفاظ کا اعادہ کردیا۔ اس روایت میں عدنی سے ایک دوسری غلطی بھی سرزد ہوئی وہ یہ کہ بعد از فراغت نماز حاضرین نے جو ابوسعید رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اس کو عدنی نے اس طرح سے بیان کیا فلما انصرف (ای ابوسعید) اتیناہ (سنن ترمذی) درانحالیکہ حاکم کی صحیح روایت میں ہے فلما انصرف مروان اتیناہ۔ پس جس راوی کی غفلت کا یہ حال ہو تو اس کے بیان پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے اور اس کے تفرد کو دیگر اقوی اور اکثر کے اقوال پر ترجیح دیکر کسی دعویٰ کی کیسے بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کی بیان کردہ روایت مراد کے لحاظ سے باب کی دیگر روایات سے متعارض بھی ہو اور اگر بفرض محال اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ یہ الفاظ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے فرمودہ ہیں تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تمام کام جزء خطبہ ہیں یعنی آپ صدقہ کی وصولیابی تقسیم وغیرہ جملہ کاموں کو خطبہ ہی تصور فرمائے ہوئے ہیں اس حال میں کہنا پڑیگا کہ یہ آپ کا قیاس ہے جو صحت اور اصابت سے بمراحل بعید ہے۔ صدقہ کی وصولیابی تقسیم وغیرہ یہ تو افعال ہیں اور خطبہ نام ہے کلام کا افعال کا نہیں۔ افعال کو خطبہ تصور کرلینا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

قاموس میں ہے خطب الخاطب على المنبر خطابة بالفتح وخطبة بالضم وذالك الكلام خطبة۔ منجد میں ہے (خطب۔ خطبة وخطابته) دعظ: قرء الخطبة على الحاضرين خطیب کے دوسرے کام میں لگ جانے سے خطبہ ختم ہوجاتا ہے اور اس کے لئے کوئی اعلان یا نداء کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اس کی دوسرے کام میں مشغولیت بھی خطبہ کا قطع ہونا ہے۔ باب کی روایات سے

یہی ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیکؓ کی ٹوٹی ہوئی حالت کے پیش نظر خطبہ چھوڑ کر صدقہ کا کام شروع فرمایا تھا اور پیش آنے والی ضرورت کے لئے خطبہ کو قطع کئے جانے کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ حیاتِ نبوی میں متعدد مرتبہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ضرورت خطبہ کو کچھ دیر کے لئے موخر فرما کر پیش آنے والے کاموں کو انجام کو پہونچایا۔

(۱) بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ دشمن اسلام ابن ابی الحقیق کے مقابلہ کے لئے مجاہدین کی جو جماعت روانہ کی گئی تھی اس کی واپسی جمعہ کے دن بوقت خطبہ ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اُن سے مشغول گفتگو ہو گئے اور (فرط خوشی میں) اُس تلوار کو طلب فرمایا جس سے دشمن کا کام تمام کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اُس کو دستِ مبارک میں لیا اور خود اس کو نیام سے نکال کر اس کا ملاحظہ فرمایا (سنن بیہقی)

(۲) مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے وقت ایک پردیسی آئے اور اُنھوں نے دینی معلومات حاصل کرنے کی آپ سے درخواست کی آپ نے خطبہ چھوڑ دیا۔ کرسی منگائی گئی اور اس پر تشریف فرما ہو کر آپ نے ان کو تعلیم دی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے چھوڑے ہوئے خطبہ کو پورا فرمایا۔ (صحیح مسلم ابواب الجمعہ)

ان روایات سے پیش آنے والی ضرورتوں کے لئے خطبہ کو درمیان میں چھوڑنا صاف ثابت ہو رہا ہے علامہ مجدالدین فیروزآبادی شافعی رحمۃ اللہ نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف کے طور پر بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں قوانین اسلام اور مہماتِ دین کو بیان فرمایا کرتے تھے اور جب آپ کو کوئی حاجت پیش آتی یا کوئی سائل کچھ سوال کرتا تو آپ خطبہ کو قطع فرما دیتے ضرورت کو پوری فرما کر سائل کو جواب دیکر پھر خطبہ کی تکمیل فرماتے (سفر السعادۃ) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اس امر (خطبہ کو قطع کرنا) پر فنی نکتہ چینی کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ابن منیر کا بیان کردہ مناظرانہ طرز کا ایک اعتراض نقل کر دیا۔ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلیکؓ کے آنے پر خطبہ کو قطع کرنا ثابت بھی ہو جائے تو یہ بات مانعین کے اصول پر نہیں بن سکیگی کیونکہ اُن کا عمل یہ ہے کہ آنے والے کے لئے

خطبہ کا قطع کرنا اُن کے نزدیک جائز نہیں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ اعتراض خود ساختہ اور غلط ہی مانعین کے یہاں ضروری مواقع پر خطبہ قطع کرنے کی ممانعت نہیں ہی۔ ابن منیر رحمۃ اللہ ان کے اصول اور کتب کا مطالعہ فرما لیتے تو اس اعتراض کی نوبت ہی نہ آتی۔ ابن منیر کی بیچارگی کا تو یہ عالم ہے کہ وہ مانعین کے کسی قول کا حوالہ بھی نہیں دے سکے بلکہ یہ فرمایا والعمل عندھم لا یجوز قطع یعنی اُن کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے نزدیک جائز نہیں یا للعجب۔ پھر ابن منیرؒ اپنے اعتراض کی کمزوری کو بے ربط پیوند سے ڈھکنے کی کوشش میں اس طرح سے مصروف ہوئے فرمایا بالخصوص جبکہ خطبہ اُن کے نزدیک واجب بھی ہی تو اس کو کیسے قطع کیا جا سکتا ہے (انتہی بالتلخیص والتشریح فتح الباری) معلوم نہیں ابن منیر خطبہ کے واجب ہونے اور اس کے قابل قطع ہونے میں منافات الجمع کی نسبت کیوں سمجھ بیٹھے۔ مانعین کے نزدیک خطبہ ہی تو واجب ہے لیکن اس کے الفاظ کا تسلسل تو اُن کے نزدیک اس حد تک واجب نہیں کہ ضروری مواقع پر اس میں کچھ تاخیر بھی نہ کی جا سکے۔

ابن منیر کے اعتراض پر ہمیں چنداں تعجب نہیں مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کے اس کو اپنی تائید میں نقل کرنے پر ضرور تعجب ہے۔ ابن منیر رحمۃ اللہ نے اس کمزور گرفت کے ذریعہ مسلک مجوزین کی کوئی صحیح خدمت انجام نہیں دی البتہ اگر وہ علامہ ترکمانی رحمۃ اللہ کی اس گرفت کا جو انھوں نے الجواہر النقی میں بیہقی کی روایت فقعد سلیک قبل ان یصلی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت رکعتین قال لا قال صل) کے تحت میں امام شافعی رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب پر کی ہے کہ اُن کو قصۂ سلیکؓ سے جواز تحیۃ المسجد بحالت خطبہ پر استدلال کا کیا حق ہے جبکہ خود ان کا مذہب ہی اس حدیث کی تصریح کے خلاف ہے ان التحیۃ تفوت بالجلوس۔ ابن منیرؒ اس گرفت کا کوئی صحیح جواب دیدیتے تو یہ مسلک مجوزین کی قابل قدر خدمت ہوتی فانّیٰ لہ ذالك

ابو سعید رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا وہ علی سبیل التسلیم تھا ورنہ حافظ ابن حجرؒ کے طرز عمل کے موافق جو انھوں نے خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کے مسلک کے معاملہ میں تاویلات کا اختیار کیا اس میں بھی یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی یہ نماز بحالت خطبہ واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ

راوی نے قرب کے لحاظ سے خطبہ کا اطلاق کا دان خطبہ کے موقع پر کیا ہے اور عمال حکومت نے خروج امام ہی کے وقت سے انتظاماً روک ٹوک شروع کردی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ کی تاویلات بلا قرائن بلکہ خلاف قرائن تھیں مگر ہماری اس تاویل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی سے اس مسلک کا ثبوت نہیں اگر ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک ہوتا تو اُن کے اصحاب اور دیگر تابعین سے معتدبہ مقدار میں اس کا ثبوت ملنا چاہیئے تھا۔ اصحاب ابوسعید کے علاوہ بھی تابعین مدینہ میں سے کسی تابعی سے اس کا ثبوت نہیں بلکہ تمام جماعت تابعین میں سے سوائے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے کسی سے سنداً یہ مسلک مروی نہیں حسن رحمہ اللہ کے فعل پر امام شعبی رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر تابعی کی نکیر ثابت ہے۔ قاضی شوکانی وغیرہ نے مکحول رحمہ اللہ (تابعی) کو بھی مجوزین میں شمار کیا ہے۔ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی تابعین میں اس مسلک کے حامل صرف دو حضرات (حسنؒ و مکحولؒ) نظر آئے جن کا وجود تابعین کے جم غفیر کے مقابلہ میں درجۂ صفر کی برابر ہے۔ مجوزین کو حسن و مکحول رحمہما اللہ کا نام اپنی تائید میں پیش کرنے کے وقت یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ تابعین کی جماعت میں سید التابعین حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ عہد صحابہ کے مفتی حرم اور حضرت قدوۃ التابعین سعید بن المسیب رحمہ اللہ مفتی مدینہ بزمن اصحاب رسولؐ بھی ہیں جن کے علوم کے حسنؒ و مکحولؒ دونوں حضرات ہی خوشہ چین ہیں۔ آخر بحث میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بذات خود صحیح ہونے کی ذمہ داری نہیں لی حالانکہ حافظؒ خود اس کے اہل ہیں کہ کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگائیں مگر ہم دیکھتے ہیں ذمہ داری سے بچنے کے لئے حافظ نے یہ فرما دیا کہ ابن خزیمہؒ اور ترمذیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے راقم الحروف نفس واقعہ کی تضعیف کے درپے نہیں ہے البتہ روایات ممانعت کی تضعیف کے علمبردار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی خدمت میں اس قدر ضرور عرض رسا ہے کہ یہ واقعہ سفیان سے بطریق محمد بن عجلان مروی ہے ابن عجلان کی دیگر حضرات نے توثیق کی ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضعیف ہی ہیں (میزان) اور خود حافظ نے بھی تقریب میں صرف صدوق کہنے پر اکتفا کیا ثقہ نہیں کہہ سکے۔ دوسرے راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے از ائمہ ہدیٰ ہیں اور معتدد فضائل کے حامل ہیں مگر خود حافظ ابن حجر نے ہی اُن کی توثیق کے

بعد لکھا ہے کہ آخر عمر میں سفیان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا (تقریب)

اسی قسم کا فیصلہ مجوزین نے روایت ممانعت کے راوی امام ابن لہیعہ کے متعلق کیا ہے حاکم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ابن لہیعہ ایک امام ہیں آخر عمر کی سوء حفظی کے علاوہ ان میں اور کوئی قابل گرفت بات نہیں۔ (التعلیق المغنی) اب فیصلہ مجوزین کے انصاف کی سپرد ہے۔

بہر حال اوائل تحریر میں ذکر کردہ نقول سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلفاء راشدین جنکی سنت و طریقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے اختیار کرنے کی وصیت فرما گئے تھے ان کا مذہب کراہت نماز بوقتِ خطبہ کا تھا۔ کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ادائیگی تحیۃ المسجد بحالت خطبہ کا ثبوت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سردار دو عالم کے چچا زاد بھائی جو حبر الامت کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں جن کے لئے آنحضرتؐ نے اپنے سینے سے لپٹا کر علم و حکمت کی دعا فرمائی تھی وہ بھی کراہتِ نماز بحالت خطبہ کے قائل تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے سنت کے دلدادہ صحابی جو عبادات کے علاوہ امور عادیہ اور اتفاقیہ میں بھی سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتے تھے حتیٰ کہ سفر میں جس جگہ آنحضرتؐ نے بول و براز فرمایا ہو اسی جگہ کو بول و براز کے لئے تلاش کرتے تھے وہ بھی نماز بحالت خطبہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ جو فضلاء صحابہ میں سے ہیں یکے از جامعین قرآن ہیں۔ وہ بھی امام کے منبر پر پہونچنے کے بعد نماز کو معصیت فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امیر عادل خلیفۂ منتخب جن کے قوۃ ایمانی کے کمال کا یہ درجہ کہ شہید ہونا منظور کیا لیکن فاسق و ظالم کی اطاعت قبول نہ کی۔ مالکِ حقیقی پر اعتماد کا یہ عالم کہ دنیا کی بڑی سے بڑی خوفناک چیز کے ڈر سے بھی بے نیاز حرم کعبہ میں محصور ہیں دشمن منجنیق کے ذریعہ پتھر کے گولے برسا رہا ہے دائیں بائیں آگے پیچھے گولے گر رہے ہیں۔ مگر نماز کے سکون قلبی میں سر مو فرق نہیں۔ اُن کے نزدیک بھی نماز بحالت خطبہ سنت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ

جنھوں نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جان کی بازی لگائی۔ ہر قسم کے آلام و مصائب برداشت کرتے ہوئے مظلومانہ حالت میں جبکہ وہ بیت اللہ کے پردوں میں لٹکے ہوئے تھے جام شہادت نوش کیا، وہ بھی بوقتِ خطبہ نماز کو سنت نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ جو اپنے فضل و شرف کے باعث بنی قریظہ کے امام تھے خطبہ کو نماز کے لئے مانع سمجھتے تھے۔ صحابہ کے صد سالہ عہد میں سوائے ابوسعید رضی اللہ عنہ کے ایک واقعۂ محتملہ کے کسی صحابی سے بوقت خطبہ نماز کی ادائیگی ثابت نہیں ہے۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ جن کی ولادت زمانۂ نبوی کی ہے بلکہ بعض اقوال کے موافق اُن کی خوش نصیب آنکھیں جمال نبوی سے بہرہ اندوز بھی ہوئی ہیں۔ ذکاوت و فطانت اور کثرتِ علم کے باعث ستر سال تک صحابہ کے زمانہ میں قاضی و حاکم رہے، وہ بھی خطبہ کے وقت نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ مفتی مدینہ اور اول فقہاء سبعہ جن کے اتفاق کو امام مالکؒ مثل اجماعِ امت کے مانتے تھے، عشرۂ مبشرہ کا زمانہ پائے ہوئے، جن کی شان میں قتادہؒ جیسے عالم و امام فرماتے ہیں کہ اُن سے زیادہ حلال و حرام سے واقف میں نے کسی کو نہیں پایا۔ مکحول رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلبِ علم میں دنیا چھان ڈالی لیکن ابن المسیب سے زیادہ عالم مجھ کو نہیں ملا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ اپنے اشکال انہی سے حل کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے والد حضرت فاروق (رضی اللہ عنہما) کے مسائل و احکام انہی سے دریافت فرمایا کرتے تھے۔ خود ابن المسیبؒ اپنے زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آج مجھ سے زیادہ واقف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی قضایا سے کوئی نہیں۔ اکابر صحابہؓ کے بعد سعید بن المسیبؒ مدینہ کی مسند افتاء پر اس آب و تاب کے ساتھ جلوہ نشین ہوئے کہ صحابہ بھی اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ بھی نماز بوقت خطبہ کی ممانعت کے قائل ہیں۔ عطاء بن ابی رباح جیسے علوم نبوی کے حامل جنکے بارہ میں امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ علوم جو عطاء کو حاصل ہیں ان کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مستحق تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس مکہ کے لوگ مسائل پوچھنے گئے تو فرمایا اے اہل مکہ تمہارے ہاں عطاء موجود ہیں اور تم میرے پاس آتے ہو۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں علم و اتقان کے لحاظ سے اپنے زمانہ کے جملہ تابعین مکہ کے سردار تھے، امام و حجت تھے اور عالیشان شخصیت کے مالک تھے۔ امام شعبی و مکحولؒ و اوزاعی جیسے ائمہ انکی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں وہ بھی نماز بوقت خطبہ کو ممنوع سمجھتے تھے۔

(باقی)